ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-22

ماخذ تحقیقی مجلہ

OPEN ACCESS

CC BY NC

ڈاکٹر پروین اختر کلو

اسکالر پوسٹ ڈاکٹریٹ IRI اسلامک انٹرنیشنل یونیورسٹی اسلام آباد

اردو ناول اور فلسفۂ وجودیت

Dr. Parveen Akhtar Kallu *
Postdoctoral Fellowship IRI IIUI.
***Corresponding Author:** drparveenkallu@gcuf.edu.pk

Urdu Novel and Existential Philosophy

The word existentialism is derived from the word existence, for which the word existential is used in English. The meanings of existence are "presence, being, life, event or event, existing, being created and being found". Explaining the word existence. Existence is a spatial and temporal state that depends on the existence or being of an individual. Existence is not based on reason, nor does existence accept any values or system based on rational foundations. The philosophy of existentialism is fundamentally based on the individual's individuality and personal freedom. The philosophy of existentialism gave more importance to the individual's inner self and recognized the individual's own attitudes and emotions as the center of his way of thinking. Therefore, we can say that existentialism is not just a philosophy but an attitude that emphasizes the individual's self-affirmation. Past philosophers generally ignored the individual's self or personal freedom. An attempt was made to examine the emotions and feelings of the individual in an objective perspective. As a result, the status of man in society remained like an object. However, the philosophy of existentialism, on the other hand, increased the greatness of man by giving fundamental importance to the inner emotions and feelings of the individual. This article is written about the existentialism in Urdu Novel.

Key Words: *Existentialism, existence, presence, spatial, temporal, self-affirmation, freedom, objective perspective, individual.*

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-22

ماخذ تحقیقی مجلہ

کرہ ارض پر بنی نوع انسان کو ا

غالب کا ایک شعر ہے:

ہے غیب غیب جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود
ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں (۱)

اس شعر سے ایک الگ نظریہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ ایک اور دنیا بھی ہے جس کی تلاش ضروری ہے۔یہی شعر اردو میں وجودیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔وجودیت کا آغاز بیسویں صدی سے ہوتا ہے کیوں کہ اس صدی میں مشرق و مغرب انتہاؤں پہ کھڑے تھے۔مغرب میں سائنس و ٹیکنالوجی کی تحریک زور و شور سے جاری تھی جب کہ برصغیر میں اٹھنے والی سیاسی اور ادب تحاریک الگ تھیں۔مغرب میں سائنس نے کئی فرسودہ روایات کو ختم کیا لیکن اس کے ردِ عمل کے طور پر بہت کچھ سامنے آیا۔اس طرح ہر تحریک کے ردِ عمل پر کچھ نہ کچھ تو سامنے آتا ہے۔الغرض اس دور میں یورپ میں علم و فن اپنے عروج پر رہے۔اسی دور میں یعنی بیسویں صدی کے نصف اول میں "دادا ازم" کا آغاز زیوچ میں ہوا۔یہ تحریک پہلی جنگِ عظیم کے بعد خاصی مقبول ہوئی۔اگرچہ اس کا آغاز پیرس سے ہوا تھا مگر اس کے اثرات یورپ میں بھی محسوس ہوئے۔ٹرسٹان زارا، الساشن اور یانس آرپ نے اس تحریک کو پروان چڑھایا۔اس تحریک کا مقصد ادب، مصوری اور فلسفہ سے بغاوت تھی۔وجہ یہ تھی کہ سائنس نے ہر چیز کو میکانکی بنایا ہوا تھا۔یہ لوگ کیمونزم، نازکسزم اور صوفی ازم کے خلاف تھے۔اس تحریک کا بنیادی نقطہ نظر "Nothing" تھا یعنی کسی بھی چیز کو نہ ماننا۔اس تحریک کے اثرات ایزرا پاؤنڈ اور ٹی ایس ایلیٹ کے ہاں بھی محسوس کیے گئے۔بعد میں یہ تحریک ۱۹۳۱ء میں "سررئیلیزم" میں ضم ہو گئی۔اس حوالے سے ابو الاعجاز حفیظ صدیقی "کشاف تنقیدی اصطلاحات" میں لکھتے ہیں:

> سر رئیل ازم، تحت الشعوری اور خواب گور تمثالیں پیش کرنے کی شعوری کوشش کا نام ہے جب کہ "دادا ازم" فن کی دنیا میں محض انار کی اور لا قانونیت کی حیثیت رکھتا ہے۔اس تحریک کو منفی آرٹ یا منافی آرٹ قرار دیا گیا۔جہاں تک شعر و ادب کا تعلق ہے دادا ازم کے علمبرداروں نے جو شاعری کی وہ نہ صرف غیر مربوط تھی بلکہ معنوی اعتبار سے بھی تہی دست تھی۔"(۲)

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-22

ماخذ تحقیقی مجلہ

یوں سررئیلزم کی تحریک کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ یہ ۱۹۲۴ء کا دور تھا۔ یہ فطرت کی عقلی و روحانی قوتوں کے خلاف تھا۔ پھر انھوں نے اشاریت پسندی کا خاصا اثر قبول کیا۔ یعنی یہ لوگ ہر اخلاقی قدر سے نفرت کرتے تھے۔ آرٹ کی ہر روایت سے متنفر تھے۔ نظم کی ہر بندش سے آزادی چاہتے تھے۔ انھوں نے عجیب و غریب نقوش اور مثالی پیکروں کا ایک نیا جہان آباد کرایا۔ اسی کے زیرِ اثر وجودیت "Existentialism" کا آغاز ہوا، یوں اس تحریک کا آغاز یورپ سے ہوا۔ وجودیت کا بانی "سورین کرکیگارڈ" کو قرار دیا جاتا ہے۔ اُس کی کتابیں "The concept of dread" اور "Sickness up to death" وجودیت کا منبع ہیں۔

وجودیت کی تحریک یورپ میں انتشار کے رد عمل کے طور پر سامنے آئی۔ اس زمانے میں یورپ سائنس و ٹیکنالوجی کے زیرِ اثر سیاسی، سماجی، اقتصادی، مذہبی اور اخلاقی اقدار کے حوالے سے ناامید، بے اطمینانی اور غیر یقینی مستقبل کے خوف سے دوچار تھا۔ اس تحریک سے اُن کے سارے مسائل حل کرنے میں مدد ملی۔ سارتر واحد ادیب تھا جس نے اس فلسفہ کے تشریح کے لیے کوششیں کیں۔ اس حوالے سے مارٹن بویر، مارٹن ہائیڈگیز، گبرائیل مارشل اور فریڈرک نطشے نے بھی اُن کی مدد کی۔

وجودیت کیا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف زندہ رہنا وجود نہیں ہے نہ زندہ رہنے کا شعور ہے بلکہ وجود رکھنے کا مطلب "وجود کا شعور" ہے۔ بعد میں اس فلسفہ وحدت الوجود باہمہ اوست مراد ہے اور صوفیا اس نظریے کے حامی ہوئے ہیں انھیں وجود کہا جاتا ہے۔ سارتر بھی بحیثیت "وجودی ناول نگار" مشہور ہوا۔ اردو میں اس حوالے سے غالب کا یہ شعر ہے:

ہے غیب غیب جس کو سمجھتے ہیں ہم شہنود
ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں

آج وطن عزیز قرضوں کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے اور وطن کا بچہ بچہ آئی ایم ایف کے قرض تلے دبا ہوا ہے۔ اب وہ اپنے وجود کے بارے میں سوچے گا کہ میری پیدائش کا مقصد یہی ہے کہ ملک کی آبادی میں اضافہ اور مقروضوں کی تعداد بڑھانا تاکہ اوسط قرضہ کم کیا جائے؟ اس طرح اس دنیا میں ہر جگہ الگ الگ قانون ہے تو ایک ملک کا قانون دوسرے ملک کے قانون کے منافی ہو گا تو وہاں کے افراد خود کو مجرم سمجھیں گے؟ اس حوالے سے رضوان خان لکھتے ہیں:

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-22

ماخذ تحقیقی مجلہ

"وجودیت دراصل انسانی ذہن میں اپنے وجود کے متعلق اٹھنے والے سوالات پر مبنی نظریہ ہے کہ انسان کون ہے؟ کیسے بنا ہے؟ اس کے وجود کا مقصد کیا ہے۔ وہ کب تک برقرار رہے گا۔ اسے کس نے بنایا ہے کیوں بنایا؟ یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان اپنے وجود اپنی ذات کے بارے میں نہ سوچے۔ یہی وہ سوال ہیں جنھوں نے انسان کو اپنے وجود کے اثبات کے متعلق اور جن کی حقیقت جاننے کے لیے سوچنے رمجبور کیا اور مرتے کرتے وجودیت کی شکل میں ایک ایسا نظریہ سامنے آیا جو دوسرے نظریہ ہائے فکر کی طرح اپنا ایک سائنسی نظام رکھتا ہے۔"(۳)

مغرب میں وجودی طرزِ فکر کے نمائندہ ناول نگاروں میں کرکیگارڈ اور سارتر اہم ہیں۔ اس کے مقابلے میں ہمارے ہاں اردو ادب میں وجود فکر کے نمائندہ ناولوں میں کئی ایسے جو مکمل طور پر تو نہیں مگر ان میں وجودی طرزِ فکر نمایاں ہے۔ ایسے ناول یہ ہیں:

۱۔	عبداللہ حسین	(اداس نسلیں)
۲۔	بانو قدسیہ	(راجہ گدھ)
۳۔	خالدہ حسین	(کاغذی گھاٹ)
۴۔	انیس ناگی	(دیوار کے پیچھے)
۵۔	جمیلہ ہاشمی	(دشتِ سوس)

وجودیت کا مسئلہ انسان کو خود آگاہی و خود بینی کا درس دیتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ کردار خود آگاہ اور خود نگین و خود بین ہو کر عرفان ذات حاصل کر لیتا ہے۔ اس لحاظ سے وہ دنیا کے عام کرداروں کے مقابلے میں خود کو نمایاں سمجھتا ہے اور دنیا کے امکانات کے لیے کوشاں بھی ہوتا ہے۔ اس لیے وہ کسی اور سے متاثر ہونے کی بجائے انا الحق کا نعرہ بلند کرتا ہے۔ جس طرح "دشتِ سوس" میں جمیلہ ہاشمی لکھتی ہیں:

"اقصائے عالم میں ہواؤں کی طرح آزادانہ گھومنے کو میرا جی چاہتا ہے۔ جس میں حسن بن حلاج یوں گویا ہے۔ ہواؤں پر حکمرانی کو بادلوں پر سوار ہونے کو۔ میں آپ کو بتاؤں میں کی اچھ کرنا چاہتا ہوں۔ کبھی سوچتا ہوں میرے بازوں پھیلیں تو مشرق اور مغرب کو چھو لیں۔ برفانی چوٹیاں میرے قدموں میں ہوں۔ کوہسار میرے زیر نگیں ہوں۔ عرش کی نیلاہٹ

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-22

ماخذ تحقیقی مجلہ

ستاروں کی جگمگاہٹ کو چھو کر دیکھوں۔ دنیا میرے تلے سمٹ جائے۔ فاصلہ ایک نکتے کی طرح ہوں۔"(۴)

یہ تو تھی مثال جمیلہ ہاشمی کے ناول "دشتِ سوس" سے جس میں حسین کے خیالات ایسے ہیں کہ وہ بہت کچھ کرنا چاہتا ہے۔ اسی طرح کی ایک اور مثال انیس ناگی کے ناول "پتلیاں" سے ملاحظہ ہو:

"یار کہاں لکھا ہے کہ ہم ڈاکٹری پڑھ کر ڈاکٹر بنیں۔ اس کا موقعہ نہیں مل رہا، ہم سب پڑھائی میں تیز ہیں تو ڈاکٹر بن گئے ہیں۔ کیوں نہ سول سروس کا امتحان دیں اور جو کچھ نہیں مل رہا اسے حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ ہاتھ میں اقتدار کا ڈنڈا ہو تو پھر امریکہ جانے کی کیا ضرورت ہے۔"(۵)

یوں اس ناول میں نوجوان طبقہ اپنے وجود کے حوالے سے اپنی فلاسفی بیان کر رہا ہے۔ یہ ناول انیس ناگی نے مغربی فلسفی البیر کامیو کا ہے سے متاثر ہو کر لکھا ہے۔ اُس فلاسفی کا یہ بیان ہے کہ انسان اپنی زندگی میں ناآسودہ خواہشات کی وجہ سے مسلسل پریشان ہے۔ نیز یہ کہ ہر انسان اپنی زندگی کو خوش گوار بنانے کا آرزو مند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ حالات کی پیچیدگیوں میں گم ہے اور جو نھیں غیر متناسب حالات آجاتے ہیں تو اس کی آرزوؤں او عر خواہشات کا خون ہوتا ہے تو وہ حالات کی دیوار سے ٹکرا کر مایوسی کے اندھیروں میں گم ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ انسان ہر وقت خوب سے خوب تر کی تلاش میں حالات سے نبرد آزما ہے۔ بقول شاعر:

زندگی جہد مسلسل ہے تماشا تو نہیں
وہی جیتے ہیں جو رہتے ہیں طوفانوں کے قریب (۶)

یہی وجہ ہے کہ فرد اپنی داخلی آزادی کی جدوجہد میں امکانات کو سامنے رکھتا ہے۔ اس کے لیے وہ وجود جو اس کے داخلی خیالات کے راستے میں رکاوٹ ہو، غیر مصدقہ اور لایعنی ہے۔ وہ اپنے وجودی فلسفے کو ہی اہمیت دیتا ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر جمیل جالبی کے بھی یہی خیالات ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"وجودیت نے لوگوں کو محسوس کرایا کہ داخلی رویہ خارجی حقیقت کو بدل سکتا ہے۔"(۷)

وجہ یہ ہے کہ فرد میں داخلی کیفیات کا ایک بہتا دریا ہوتا ہے۔ یہ کیفیات لمحہ بہ لمحہ بدلتی رہتی ہیں۔ کبھی مثبت تو کبھی منفی۔ بعض اوقات ان میں ناامیدی، کرب، بے چارگی، گھٹن اور بوریت شامل ہوتے ہیں تو کبھی کبھار خوشی، امید، شگفتگی، خوش خیالی اور فخر جگہ پاتے ہیں۔ یوں انسانی ذہن کے نہاں خانوں میں مختلف خیالات لہروں کی

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-22

ماخذ تحقیقی مجلہ

صورت میں نمو پاتے ہیں۔ مثلاً انیس ناگی کا ناول "دیوار کے پیچھے" ایک فرد کے المیے کی کہانی ہے۔ گھریلو بد نظمیاں، معاشرتی ناانصافیاں، مقدمے میں جھوٹے گواہ، طوائفوں کی دکانیں، ہسپتال اور سکولوں کی بد نظمی و بدحالی۔ یعنی ہر طرف جنگل کا قانون ہے۔ ایسے میں وہ خود سے یہ سوال کر سکتا ہے کہ یہ معاشرہ کیسے درست ہو گا؟ ناول کا مرکزی کردار ایک پروفیسر ہے ہر طرف سچ کا بول بالا چاہتا ہے لیکن خود اس کی اپنی منگنی بھی رضیہ کے ساتھ سچ بولنے کی وجہ سے ٹوٹ جاتی ہے اور وہ اس سے نفرت کرنے لگتی ہے اور کہتی ہے:

> "نہیں میں اندر نہیں آسکتی، تم ناپاک ہو، تمہارے کمرے سے کفر کی بو آتی ہے۔ تم باہر مت نکلنا۔ انھوں نے کہا ہے تم سے پردہ کروں۔"(۸)

اس ناول کا مرکزی کردار ہر رشتے اور ناطے کے حوالے سے بے یقینی کا شکار ہے۔ خالد اشرف اس کردار کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "وہ پروفیسر اپنے سماج کے ہر رشتے پر سے اعتماد کھو چکا ہے۔ ماں، بہن، بھائی، دوست اور عزیز اسے بے حیثیت اور بے خلوص نظر آتے ہیں کیوں کہ وہ حرص و لالچ پر مبنی کالس کی فرسودہ اقدار کے درمیان زندگی بسر کر رہا ہے۔ وہ کسی کے لیے قربانی دینا نہیں چاہتا کیوں کہ وہ اس سیٹ اپ کو اور کچھ دینے کے لیے راضی نہیں ہے جو اس سے اس کی آزادی اور انفرادیت چھین چکا ہے۔"(۹)

بانو قدسیہ کے ناول "راجہ گدھ" میں بھی وجودی طرزِ فکر کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ اس ناول میں کرب، بے چینی اور خود اذیتی کے جذبات کو موضوع بحث بنایا گیا ہے قیوم، امتل اور سیمی زندگی کی ماہیت کو سمجھنے کی کوششوں میں ہیں۔ سیمی محبت کے تجربات کے گورکھ دھندے میں اس قدر آگے چلی جاتی ہے کہ پھر واپسی کا راستہ بھول گئی اور یہ گتھیاں سلجھائے نہیں سلجھتیں۔ اس طرح وہ محبت میں ناکامی کی وجہ سے موت کو گلے لگا لیتی ہے۔ پہلے وہ آفتاب کو کل کائنات سمجھتی ہے اور وہ اُسی کے آئینے میں خود کو دیکھتی ہے۔ بعد میں وجودیت کے تجربات کے تحت قیوم کے ساتھ جسمانی تعلقات صرف اسی لیے قائم کر لیتی ہے کہ اس میں بھی اُسے آفتاب نظر آتا ہے۔ خود فریبی اور خود اذیتی کے احساسات اس قدر بڑھ جاتے ہیں کہ وہ زیادہ مقدار میں نشہ آور گولیاں کھا کر مر جاتی ہے۔ اسی طرح قیوم کا کردار بھی نفسیاتی مسائل کا شکار ہے۔ وہ خود سے سوال کر رہا ہے:

> "میں کون ہوں؟

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-22

ماخذ تحقیقی مجلہ

کہاں سے آیا ہوں؟

مجھے یہاں سے کہاں جانا ہے؟

اور اگر مجھے کہیں نہیں جانا اور اس مٹی میں نائٹروجن کی بھاری مقدار بن کر واپس لوٹنا ہے تو پھر یہ ساری تگ و دو کیوں؟

یہ سارے عذاب کس لیے

کائنات کیا ہے؟

اس کائنات سے پرے کون چھپا بیٹھا ہے؟

کیا کائنات والے سے ہمارا بے حقیقت ذرات کا کوئی تعلق ہے؟

کہ اس نے ہمیں صرف اپنی تفنن طبع کے لیے بنایا ہے۔"(۱۰)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ "راجہ گدھ" کے کردار وجودیت کا شکار ہیں۔ اس طرح امتل بھی تھی:

"وہ بچوں کی طرح (sustained fruition) کے قابل نہ تھی۔ اس کا لڑنا جھگڑنا، پیار، محبت، نفرت سب موڈ کے تابع تھے کسی تھیوری، مسلک، دباؤ کے تحت وہ کچھ کر سکتی تھی۔ وہ سب کچھ بغیر سوچے سمجھے کرتی۔ جی چاہا مدد کر دی، دل میں آیا گالی دے دی۔ کسی کو کھانا کھلایا، نیا پرس عطا کر دیا۔۔۔ وہ وقت، ضابطے اور طریقے کی پابند نہیں تھی۔"(۱۱)

عبداللہ حسین کے ناول "اُداس نسلیں" کا نعیم بھی کچھ اس طرح کے مسائل کا شکار تھا۔ وہ شیلا سے محبت کرتا ہے اور اس کی چکنی چپڑی باتوں میں آکر اس کی محبت کے جال میں پھنس جاتا ہے اور اس کے حوالے سے کئی خواہشات دل میں پال لیتا ہے۔ لیکن وقت ایک سا نہیں رہ پاتا اور نعیم شہلا کو نہ صرف یہ کہہ کر چھوڑ دیتا ہے بلکہ اس کے ہاتھوں سے ایک قتل بھی ہو جاتا ہے۔ ساتھ ساتھ وہ ایک خفیہ تنظیم کے ہتھے چڑھ جاتا ہے جو اس سے خطرناک کام لیتے رہتے ہیں۔ اگرچہ بعد میں اُسے پچھتاوا ضرور ہوتا ہے مگر یہ سب کچھ وہ لاشعوری طور پر کر چکا ہوتا ہے۔ اس دوران اس کی ملاقات عذرا اور ڈاکٹر انصاری سے ہو جاتی ہے اور اس طرح نعیم غلط راستے سے پلٹ آتا ہے۔

انیس ناگی کے ناول "پتلیاں" کے کردار حال اور ماضی کے حوالے سے وجودی مسائل کا شکار ہیں۔ اس طرح وہ سب ایسے فیصلوں پر مجبور ہو جاتے ہیں جو انھوں نے سوچے بھی نہیں تھے۔ ملاحظہ ہو:

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-22

ماخذ تحقیقی مجلہ

"اس سارے حادثے سے جمیل کو ایک ایسے فیصلے کے لیے مجبور کیا جس کے بارے میں اس نے سوچا نہیں تھا، پروین نے اس کی منت سماجت بھی کی۔ مالی مشکلات کا رونا بھی رویا۔ میں اس ذاتی تحقیر کو برداشت نہیں کر سکتا، کوئی بات نہیں، کچھ دیر کی سختی ہے، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ یہ ادلے کا بدلے کا معاشرہ ہے۔ تم نے مجھ سے برائی کی تو میں تم سے کروں گا۔ یہاں کوئی عفو نہیں ہے۔"(۱۲)

اس طرح وجودیت کے فلسفے کے مطابق وجود ہی کے دم سے سب کچھ ہے۔ اگر وجود نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ وجود کی مثالیت، انفرادیت، آزادی، کیف آوری ہی کی وجہ سے سب قائم ہے۔ وجود کی آزادی ہی اُس کے لیے ہر صورت ضروری ہے۔ آزاد سوچ اور فکر و شعور کی ہی سماجی اور معاشرتی سطح پر زندگی کا اصل نصب العین حاصل ہو سکتا ہے۔ یہی حقیقت انا الحق کا نعرہ ابھارنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ جیسے "دشتِ سوس" میں حسین کہہ اٹھتا ہے:

"ہم میں صرف لاہوت و ناسوت کا فرق ہے۔ اب وہ بھی نہیں رہا۔ انا الحق۔ اس نے اتنے زور سے نعرہ لگایا کئی آسمانوں اور زمینوں اور دجلہ کی لہروں نے مل کر انا الحق، انا الحق اور پھر یہ صدا بغداد سے سنائی دینے لگی۔"(۱۳)

یہی وجہ ہے کہ وجودیت پسند ہمیشہ سے اپنے حالات پر قانع نہیں رہتے بلکہ بہتر سے بہترین کی تلاش ہی اُن کا اصل منبع ہوتا ہے۔ یعنی آزادی کا تصور اُن کے ہاں بنیادی اساس کی حیثیت رکھتا ہے اور یہی فلسفہ وجودیت کی اصل روح ہے۔

حوالہ جات

۱۔ اسد اللہ خان غالب، دیوان غالب، فضلی سنز پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص ۵۶

۲۔ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی، کشاف تنقیدی اصطلاحات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۱۰ء، ص ۱۱۵

۳۔ محمد رضوان خان، شعیب آفریدی کی شاعری میں وجودیت، (غیر مطبوعہ مقالہ)، مملوکہ، شعبۂ اردو ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ، ۲۰۲۳ء، ص ۴۱

۴۔ جمیلہ ہاشمی، دشتِ سوس، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۴۴۵

۵۔ انیس ناگی، پت؛ لیاں، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۶۵

۶۔ ضیا شہزاد، زیرِ آب، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۱۱۵

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-22

ماخذ تحقیقی مجلہ

۷۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، تنقید و تجزیہ، یونیورسل بکس، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص ۳۱۶
۸۔ انیس ناگی، دیوار کے پیچھے، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۲۳۰
۹۔ ڈاکٹر خالد اشرف، بیسویں صدی میں اردو ناول، فکشن ہاؤس، لاہور، ۱۹۸۴ء، ص ۱۰۹
۱۰۔ بانو قدسیہ، راجہ گدھ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۷ءِ ص ۱۶۹
۱۱۔ ایضاً، ص ۱۸۴
۱۲۔ انیس ناگی، پتلیاں، ص ۱۱۳
۱۳۔ جمیلہ ہاشمی، دشتِ سوس، ص ۴۹۹